# خطبۂ صدارت



## آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس

اجلاس ششم



از

حکیم عبدالحمید دہلوی

دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ
دسمبر ۳۰-۳۱ سنہ ۱۹۶۹ء

## فضلاء وعلماءِ کرام!

معلوم نہیں آپ جیسے فضلاء کرام اور ماہرین مطالعات اسلامیہ نے مجھ جیسے محض ایک طبیب کو، جسے اسلام کی مذہبی زبان عربی اور اس کی ثقافتی زبان فارسی کا بھی بس ابتدائی علم ہے، اپنی اس معزز کانفرنس کا صدر کیوں بنایا ہے۔ آپ کی کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں جو اکتوبر ۱۹۶۷ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں مشہور فاضل اور محقق مولینا امتیاز علی خاں صاحب عرشی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، میں صرف اس کے افتتاحی جلسہ میں شرکت کی عزت حاصل کر سکا۔ اس کے دو روزہ مذاکرات اور اس اختتامیہ نشست میں بھی، میں اپنی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکا۔ تیسرے دن مجھے "خارجاً مسموع" ہوا کہ آپ حضرات نے اپنے آئندہ اجلاس کی صدارت کی عزت بھی مجھے بخش دی۔ شاید اس عزت افزائی کی وجہ میری اسلامیات سے وہ دلچسپی ہے، جس کے کچھ مظاہر آپ کبھی کبھی دیکھتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ مجھے اسلامی علوم و فنون کی ریسرچ اور بعض عملی مسائل سے گہری دلچسپی ہے اور میں ان کی توسیع و ترقی کی لگن بھی دل میں رکھتا ہوں۔

اس صدارت سے آپ کو کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، مجھے یہ سعادت ضرور حاصل ہو گئی کہ اس بہانہ سے اعظم گڑھ حاضر ہونے کا موقعہ مل گیا جو علوم اسلامیہ کی تحقیق کا ایک پرانا اور اہم مرکز ہے، جو علامہ شبلی نعمانی جیسے فاضل روزگار کا وطن اور ان کی علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کا ایک میدان رہا ہے اور جو دار المصنفین جیسے ادارہ کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے، جسے مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے خون سے سینچا ہے اور جو اب بھی بہت سے علماء اور فضلاء کا مرکز ہے۔ مجھے دار المصنفین میں حاضری سے اس لیے بھی خوشی ہوئی ہے کہ اس کی مطبوعات سے مجھے ۱۹۲۴ء سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ معارف کے پرانے

پرچے میں نے اسی سال یہاں سے منگوا کر مجلد کرائے تھے اور اس وقت سے اب تک میرا اس ادارہ سے تعلق ہے۔ اِس چھوٹے سے شہر اعظم گڑھ اور اِس کے اطراف کے لوگوں نے دین اور علم و ادب کی جو خدمت کی ہے، وہ ہمارے بڑے بڑے شہروں میں بھی نہ ہو سکی۔ علامہ شبلی اور مولینا سلیمان ندوی کے علاوہ اس خطّے سے چریا کوٹ، مبارک پور، محمد آباد اور ولید پور کے مشاہیر اور مولینا حمیدالدین فراہی، مولینا عبدالسلام ندوی اور اقبال سہیل جیسے عالم اور ادیب اُبھرے۔ ان علماء کے فیوض اب تک اعظم گڑھ اور اس کے اطراف کے مدرسوں کی صورت میں جاری ہیں۔ ہمیں اس وقت مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور مئو ناتھ بھنجن کے مفتاح العلوم، دارالعلوم اور مدرسہ فیض عام اپنی گراں قدر علمی خدمات کی وجہ سے خاص طور پر یاد آرہے ہیں۔ لادینیت کے پھیلتے ہوئے اندھیرے میں یہ مدرسے آج بھی ایک وسیع دائرے کو اپنی دینی و علمی خدمت سے روشن کیے ہوئے ہیں۔

## حضرات!

اس قسم کے اجتماعات کے ناموں میں، جیسا کہ آج یہ ہمارا ہے، پہلے ریسرچ یا تحقیق کا لفظ کسی نہ کسی طرح ضرور شامل ہوتا تھا، لیکن اب یہ متروک ہوتا جارہا ہے، اس کی جگہ اسٹڈیز، مطالعات یا دراسات وغیرہ الفاظ نے لے لی ہے۔ الفاظ کے ساتھ اس قسم کے اونچ نیچ کے معاملات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جہاں ایک لفظ میں کچھ ناپسندیدہ مفہوم شامل ہوا یا وہ کسی وجہ سے بدنام ہوا تو اس کی جگہ زیادہ خوب صورت اور پہلو دار لفظ اختیار کرلیا جاتا ہے۔ برتھ کنٹرول یا ضبط تولید سے جب لوگ بدکنے لگے تو اس کی جگہ فیملی پلاننگ یا خاندانی منصوبہ بندی کے دلفریب لفظ نے لے لی۔ اقوام مغرب کی مشرقیات اور اسلامیات سے دلچسپی بھی خاصی پرانی ہے اور ان کے بڑے بڑے فاضلوں نے مشرق کے علوم وفنون میں تحقیق کے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ بہت سے علوم، جو اپنی جائے پیدائش سے ہی معدوم ہو گئے تھے، وہ اُن کی محنتوں کی وجہ سے زندہ ہوگئے۔ بہت سے نئے علوم ان کی گہری دلچسپیوں کی وجہ سے عالم وجود میں آئے اور بہت سے علوم کی شکل و صورت ہی ان کی "چابک دستی" سے بدل بھی گئی۔ غرض مستشرقین کرام نے واقعی بہت سے کرم ہم مشرقیوں اور مشرقیات پر کیے ہیں، جن کے لیے ہم کو ان کا ہر لحاظ سے بہت ہی شکر گزار ہونا چاہیے۔

ہمارے ملک میں علمی تحقیقی کام کرنے والے یوں تو ہر دور میں بکثرت ہوئے ہیں، لیکن تنقید و تحقیق کے جدید اصول کو اپنانے والے علماء ان یوروپی مستشرقین کے رہینِ منت ہیں جنہوں نے ہندستان آکر اپنے فرائضِ منصبی کے ساتھ ساتھ اپنی ان تھک علمی سرگرمیوں کے ذریعہ ہندستانیوں کو مشرقی علوم پر کام کرنے کی نئی راہیں دکھائیں۔ ان مستشرقین میں سرفہرست سر ولیم جونز کا نام ہے،

جنھوں نے ۱۷۸۴ء میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال قائم کرکے مطالعۂ علوم مشرقی کو نئی روح بخشی۔ اس ادارے کے مجلّہ کے ابتدائی سو برس کے پرچوں پر ایک نظر ڈال لینا ہی انگریز افسران کے علمی لگاؤ اور ان کی ناقابلِ فراموش تحقیقی خدمات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہوگا۔ اس مجلّہ کے علاوہ، جو اب تک باقاعدگی سے نکل رہا ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کے مقالے شائع کر رہا ہے، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے سینکڑوں اہم عربی و فارسی کتابوں کے متن اور ان میں سے بہتوں کے انگریزی ترجمے بڑے اہتمام و کاوش سے شائع کیے۔ یہ متون اتنے اہم ہیں کہ ان کو امہات کتب کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ سب صاحبان کو ان کتابوں کی اہمیت اور افادیت کا پوری طرح علم ہے۔ اگر یہ کتابیں آج ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو تحقیقی کام کرنے والوں کو کس قدر دشواریاں پیش آتیں اور مشرقی علوم کو کیا نقصان عظیم پہنچا ہوتا!

سر ولیم جونز کے قائم کیے ہوئے ادارہ کے ٹھیک سولہ برس بعد دوسرا ادارہ وجود میں آیا، جس کی عظمت بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہیں۔ یہ تھا فورٹ ولیم کالج، جو ۱۸۰۰ء میں قائم ہوا۔ اس ادارہ نے عربی، فارسی اور بالخصوص اردو کی بیسیوں کتابیں اور ترجمے شائع کرکے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ بھی ہمیشہ یادرہیں گی۔ اس ادارے میں کام کرنے والے ابتداً انگریز تھے لیکن جلد ہی دہلی اور اس کے اطراف سے ہندستانی علماء و ادبا بھی اس میں آگئے اور اس طرح ان میں تحقیق کا ولولہ پیدا ہوا۔ ان دونوں اداروں ہی کی بدولت ہندستان میں علوم مشرقی کے ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔ ہمارے محققین نے آہستہ آہستہ مشرقی علوم کے تمام شعبوں میں دل چسپی لینی شروع کر دی تھی اور موجودہ صدی کے اوائل میں وہ علمی میدان میں تحقیق و تدقیق کے اعلا معیار پر پوری طرح کاربند اور پیش پیش نظر آنے لگے۔

ان بے شمار یورپی مستشرقین کے ناموں میں جن کی کاوشوں نے ہماری علمی راہوں میں نئے چراغ روشن کیے، ایک نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے یعنی چارلس وِلکنس کا، جنھوں نے اپنے دوسرے علمی کارناموں کے علاوہ ہندستان میں سب سے پہلے مقامی زبانوں میں مواد شائع کرنے کے لیے پریس قائم کیا۔ علوم و فنون کی ترویج میں ان کا یہی ایک کارنامہ ایسا ہے جو ہمیشہ ان کی یاد کو تازہ رکھے گا۔

جس کانفرنس میں آپ اور ہم آج جمع ہوئے ہیں وہ اور اسی قسم کی ہندستان میں وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والی دوسری کانفرنسیں، مثلاً آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، انڈین ہسٹری کانگریس، انڈین فلاسوفیکل کانگریس وغیرہ بھی مستشرقین کی دین ہیں۔ اس قسم کی کانفرنسوں کا ایک بڑا مقصد تحقیق کرنے والوں کو ایک دوسرے کے قریب لاکر تبادلۂ خیال کا موقع فراہم کرنا اور ان میں ربط و تعلق پیدا کرنا ہے اور یہ علمی و تحقیقی کاموں کے لیے بڑا ضروری ہے۔ آج کی علوم و فنون کی تیز رفتار ترقی نے تبادلۂ خیال کو اور بھی لازم کر دیا ہے اور اب یہ ناممکن سا ہو گیا ہے کہ کوئی محقق تبادلۂ خیال کیے بغیر کماحقہٗ تحقیقی کام کر سکے۔ تبادلۂ خیال کے علاوہ

ایسے اجتماعات کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ محققین کو ایک دوسرے کی علمی سرگرمیوں کا علم ہوجاتا ہے اور اس طرح کام کی تکرار کم ہوجاتی ہے۔

## حضرات!

اسلامی علوم و فنون اور ان کی تحقیق سے دل چسپی اب ایک یا چند گنے چنے ملکوں یا اشخاص تک محدود نہیں رہی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہر ترقی یافتہ بلکہ بہت سے ترقی پذیر ممالک بھی مختلف وجوہ سے اسلام اور مسلمانوں سے دل چسپی لے رہے ہیں اور اپنی تعلیم گاہوں اور تحقیقی مرکزوں میں ان کے لیے زیادہ سے زیادہ گنجائش نکال رہے ہیں۔ خود اپنے ملک میں فی الحال ہم کو اسلامی علوم و فنون سے غفلت اور بے پروائی کی بجا شکایت ہوسکتی ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ بعض سیاسی حالات کی وجہ سے جو کام پہلے چل رہے تھے، ان میں بھی رخنہ پڑا ہے اور بعض صورتوں میں عمداً اسلامی علوم و فنون کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے، لیکن آپ دیکھیں گے کہ سیاسی مطلع ذرا صاف ہوتے ہی اس ملک کو بھی اسلام اور اسلامی علوم و فنون سے گہری دل چسپی لینی ہی پڑے گی۔ جب وہ ممالک جن کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں ہے، اسلامی علوم و فنون سے دل چسپی لے رہے ہیں تو ہندستان کیسے ان سے مستقل طور پر غفلت برت سکتا ہے، جس کا اسلام اور مسلمانوں سے صدیوں سے اتنا گہرا تعلق رہا ہے اور اس تعلق نے جو اثرات ان دونوں پر چھوڑے ہیں وہ خود ایک ایسا تحقیقی موضوع ہے جس کی ندرت کی نظیر مشکل ہی سے کسی اور جگہ مل سکے گی۔

ہم اپنے متعلق اور اپنے علوم و فنون کے متعلق دوسروں کی عدم دل چسپی اور بے پروائیوں کی شکایت تو کرتے رہتے ہیں، لیکن کیا ہم نے کبھی اپنے گریبان میں منھ ڈالا ہے کہ اسلامی علوم و فنون اور عظیم مسلم تہذیب و تمدن پر ہم نے تحقیق کے کون سے کارنامے انجام دیے ہیں۔ ریسرچ اور علمی تحقیق کے معاملہ میں مسلمانوں کا ملی مزاج بھی ایک ایسا عجیب و غریب موضوع ہے، جس پر ریسرچ برائے ریسرچ کے علمبردار بھی خوب داد تحقیق دے سکتے ہیں۔ آج سے دس گیارہ سال پہلے جب میں کلیات طب کے مسئلہ مزاج، طبیعت مدبرۂ بدن، عدل، تعدیل اور اعتدال طبی اور جسم و روح کے تعلق پر ریسرچ کا خاکہ بنا رہا تھا تو میری توجہ ہندستانی اور خصوصاً مسلمانوں کے ملی مزاج پر لگ گئی تھی اور میں نے محسوس کر لیا تھا کہ جدت و قدامت کی آویزش اور مسئلہ ارتقاء کے متعلق ہمارا ذہن بالکل صاف نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک عجیب سا تضاد بھی ہے جس نے ہماری عملی قوتوں کو شل کر کے رکھ دیا ہے اور کسی کام کو منظم (سسٹیمیٹک) طور پر کرنے کی ہم میں صلاحیت ہی نہیں رہی ہے۔ اس موقع پر ادارۂ تاریخ و تحقیق طب کی طرف سے تین سوال نامے دنیا کے بہت سے مفکرین اور مورخین اور مصلحین وغیرہ کو

بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے پہلا سوال نامہ غیر طبی اور عمومی یا تمہیدی نوعیت کا تھا، جس پر بہت سے جوابات بھی موصول ہوئے ہیں۔ اس موقعہ پر ان سوالات و جوابات کا خلاصہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اس سوال کے جواب میں کہ مشرق میں تحریک ہائے احیا، مغرب میں نشأۃ ثانیہ سے کن باتوں میں مختلف ہیں، زیادہ تر لوگوں نے کہا کہ مشرق میں تحریک احیا، روایت پسندی پر مبنی ہے جب کہ مغرب میں نشأۃ ثانیہ کی بنیاد روایت سے ہٹ کر سائنس اور ٹیکنالوجی پر پڑی۔ اس طرح دونوں نقطہ ہائے نظر میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔

ایک اور سوال پر کہ کیا مذہبی اقدار یا کسی مخصوص فلسفہ کے ماتحت علوم و فنون کا مطالعہ سائنٹی فک کہا جا سکتا ہے، تمام جوابات نفی میں آئے۔ اس کا بھی جواب بالاتفاق نفی میں تھا کہ کیا کسی علم یا فن کو "شدھ" رکھتے ہوئے سائنٹی فک بنایا جا سکتا ہے۔

ایک نہایت اہم سوال یہ تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض قومیں مثلاً یونانی، رومی، عرب اور ایرانی وغیرہ جنہوں نے کسی خاص علم یا فن کو جنم دیا اور انہیں فروغ بخشا، اب انہی علوم و فنون کی ترقی و احیا سے یکسر غافل نظر آتی ہیں، لیکن بعض قومیں، جن میں ہندستان اور چین شامل ہیں، اپنے پرانے اور مردہ یا نیم مردہ علوم و فنون سے کسی قیمت علیٰحدہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال نہایت غور و فکر چاہتا ہے اور بذات خود ایک تحقیقی موضوع ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس سوال کے جواب میں زیادہ طبع آزمائی نہیں دکھائی گئی اور جو چند جواب آئے وہ بھی ایک دوسرے کی ضد تھے اور گویا یہ ظاہر کر رہے تھے کہ اس پیچیدہ اور اختلافی مسئلے پر بڑی کاوش سے تحقیق کی ضرورت ہے۔

اگر آپ ان سوالات کا تجزیہ کریں تو دیکھیں گے کہ بنیادی مسئلہ صرف ایک ہی ہے جسے صرف دو لفظوں میں پیش کیا جا سکتا ہے: جدّت و قدامت۔ یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ ہر زمانے میں روایت پسند اور روایت شکن لوگوں میں تصادم رہا ہے اور اگر غور کیجیے تو کارل مارکس کی یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ تمام ترقی مختلف مکتب ہائے خیال اور متنوع نظام کار میں اختلاف و امتزاج کی پیداوار ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ آج جدّت کے معنی وہ نہیں ہیں جو اٹھارہویں صدی سے پہلے تھے۔ پہلے جدّت کا مطلب پرانی قدروں اور عقیدوں سے با سبب یا بے سبب احتراز تھا۔ اب جدّت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر خیال اور ہر عقیدے کو قبول کرنے سے پہلے اسے عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ اگر کوئی خیال، کوئی عقیدہ اس کسوٹی پر پورا نہیں اترتا تو وہ جدّت کے زمرہ سے خارج ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ آن سائنٹی فک ہے اور قدیم یا دقیانوسی ہے۔ جدّت و قدامت کی پرانی آویزش اور مسلمانوں پر اس کے اثرات کے احساس نے مجھے بھی اس وقت دور تک پہنچا دیا تھا اور اس مسئلے کی گہری تحقیق کا ایک خاکہ میں نے بنایا تھا، جو میرے کاغذات میں محفوظ ہے۔ جنوری ۱۹۵۶ء کا یہ نوٹ

میں یہاں نقل کر رہا ہوں۔ ممکن ہے اب وہ کسی تن چلے کی توجہ کا مرکز بن جائے اور یہ اہم کام جو میں اپنی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک نہیں کر سکا، وہ اس طرح پورا ہو جائے :

# مسئلہ جدّت و قدامت

جدّت و قدامت کے مسائل پر ہماری معلومات محدود ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کا وسیع طور پر مطالعہ کیا جائے :

## توضیح

(۱) قدامت اور جدّت دونوں انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ غالباً اس کی سب سے بڑی شاہد یہ حقیقت ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا جدّت پسند قدامت سے بالکلیہ الگ نہیں رہ سکتا اور نہ کوئی کٹر سے کٹر قدامت پسند جدّت سے اپنا دامن بچائے رکھ سکتا ہے۔

(۲) قدامت اور جدّت کی آویزش ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور غالباً ہمیشہ رہے گی۔

(۳) جدّت تبدیلی کی دل دادہ ہے، لیکن اس کے بھی قوانین ہیں۔

(۴) افراد اور جماعتوں کی معاشی اور معاشرتی جدوجہد اور علوم و فنون کی بحثوں کی طوالت، خصوصاً سائنس اور مذہب کی معرکہ آرائیاں، یہ سب جدّت و قدامت کی آویزش کی مختلف صورتیں ہیں۔

## حدودِ مطالعہ

(۱) قدامت و جدّت کی آویزش کی تاریخ۔

(۲) قدامت و جدّت کا نفسیاتی اور فلسفیانہ جائزہ۔

(۳) مختلف مذہبی، نسلی اور ملکی جماعتوں اور گروہوں میں قدامت اور جدّت کی آویزش کا مطالعہ۔

(۴) قدامت اور جدّت کی آویزش اور مسلمانوں کے ملّی مزاج پر جامع تحقیق۔

(۵) قدامت اور جدّت کی آویزش اور ہندوؤں کا قومی مزاج اور اس کی بعض نمایاں خصوصیات کا مطالعہ۔

(۶) برِّصغیر کے مسلمان اور قدامت اور جدّت کی آویزش۔

(۷) برِّصغیر کے مسلمانوں کے مذہبی اور غیر مذہبی علوم و فنون اور ان کی آویزش کی تاریخ کا مطالعہ۔

## بعض نکات

(۱) ماضی، حال اور مستقبل کے باہمی رشتے۔

(۲) حال کے تعیّن میں ماضی مفید ہو سکتا ہے، لیکن کیا مستقبل میں افادیت کی اُمید میں ماضی کی حفاظت ضروری ہے ؟

(۳) یونان، روم اور ایرانِ قدیم کا بہ حیثیت قوم خاتمہ، لیکن ہندو "قوم" کا بچے رہنا (عقیدۂ تناسخ سے اس کا رشتہ)

(۴) شان دار موت اور اہم دعالم گیر انسانی "چندہ" (کنٹری بیوشن) یا طویل العمری اور تھوڑا تھوڑا اہم یا غیر اہم مقامی چندہ ؟

(۵) مسلمانوں کا ذہنی مزاج ماضی سے قطعی بے تعلقی کو برداشت نہیں کر سکتا۔

(۶) ماضی سے چمٹے رہنا، اس سے بالکل بے پرواہی بلکہ اس کی مٹی پلید کرتے رہنا بھی مسلمانوں کے ذہنی مزاج کی ایک خصوصیت ہے۔

---

(۱) کیا جدّت وقدامت کے مسئلہ کے حل کے لیے ایک یا چند عمومی کلّیات وضع کیے جا سکتے ہیں ؟

(۲) کیا کسی ملک یا قوم کے لیے جدّت وقدامت کے مسئلہ کے حل کے طور پر ایک یا چند عمومی کلّیات وضع کیے جا سکتے ہیں ؟

(۳) کسی علم وفن کے لیے جدّت وقدامت کے مسئلہ کے حل کے طور پر ایک یا چند عمومی کلّیات وضع کیے جا سکتے ہیں ؟

---

آپ کو معلوم ہی ہے کہ اسلامی ریسرچ اور مطالعات کا ایک ادارہ دہلی میں چھ سال سے قائم ہے۔ ۱۹۶۴ء میں ایک اسکیم بھی انٹرنیشنل کانگریس آف اورینٹلسٹس کے چھبیسویں (۲۶) اجلاس منعقدہ دہلی کے موقع پر پیش کی گئی تھی۔ ادارہ موجودہ محدود جگہ میں اپنا کام کر رہا ہے، لیکن پوری اسکیم پر اس وجہ سے عمل نہیں کیا جا سکا کہ انسٹی ٹیوٹ کے لیے مستقل زمین کا مسئلہ اب تک طے نہیں ہو سکا۔ دفتری لیت ولعل اور تاخیر کے اسباب سے کون ہے جو ناواقف ہے۔ بہرحال انسٹی ٹیوٹ کی بڑی جدوجہد کا نتیجہ آخر کار اچھا ہی نکلا ہے اور دہلی ایڈمنسٹریشن نے حکومت ہند کی وزارتِ تعلیم کی سفارش سے انسٹی ٹیوٹ کو تیس ایکڑ زمین رعایتی نرخ پر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے جو عنقریب اس کو ملنے والی ہے۔ یہ قطعہ زمین شہر دہلی سے بارہ میل دور تغلق آباد میں واقع ہے، جہاں انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ کا کیمپس بھی ہے اور جس کی مین بلڈنگ کا افتتاح ۸؍ فروری ۱۹۷۰ء کو ہو رہا ہے۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کی طرف سے ۱۹۶۴ء کی اسکیم ایک بار پھر دنیا بھر کے ماہرینِ اسلامیات اور بعض اصحابِ فکر کو تنقید اور نظرِ ثانی کے

لیے بھیج دی گئی ہے۔ ان جوابات کی روشنی میں نظرثانی اور اصلاح کا کام بلاتاخیر کر لیا جائے گا، اور اس انسٹی ٹیوٹ کی مین بلڈنگ کا جو میوزیم اور لائبریری پر مشتمل ہوگی، سنگِ بنیاد بھی بہت جلد رکھ دیا جائے گا۔

انسٹی ٹیوٹ کی توجہ آج کل مجوزہ لائبریری کے کلاسیفیکیشن سسٹم کی طرف ہے۔ تمام سسٹمز کا گہرا مطالعہ کیا جا رہا ہے، لیکن کوئی ایسا سسٹم جو مجوزہ متنوع اور وسیع لائبریری کے لیے موزوں ہو، اب تک سامنے نہیں آیا ہے۔ ماہرین کے اب تک کے جوابات بھی اس مسئلے کا کوئی حل پیش نہیں کر سکے ہیں۔ اسی طرح مجوزہ میوزیم اور اس کے مختلف شعبوں کی ترتیب و تنظیم کا مسئلہ بھی مختلف قسم کی عملی دشواریاں پیش کر رہا ہے۔ بہرحال ان مشکلات کا کوئی نہ کوئی حل نکلے گا ہی، اور کام انشاء اللہ پورا ہی ہوگا۔ اس اسکیم کی تکمیل میں اور جذبات کے علاوہ جو جذبہ کام کر رہا ہے اسے اُن بزرگ کی زبانی جو اس سرزمین میں آرام فرما رہے ہیں، قدرے ترمیم کے ساتھ اس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے:

ہمیں یک لفظ از ریسرچ، اصلِ مدعا باشد　　　　که این سررشتۂ تحقیق ما، در دستِ ما باشد

اسلامی ریسرچ اور اس کے مقاصد پر بہت سی بحثیں ہوئی ہیں اور مزید ہو سکتی ہیں۔ مقصدِ تحقیقِ اسلامیہ پر ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کا مضمون جو اُن کے رسالہ اسلامک ایجوکیشن میں گذشتہ برس قسط وار اسلام اینڈ سائنس کے عنوان سے شائع ہوا ہے، میں نے بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ ممکن ہوا تو میں اسے دوبارہ بھی پڑھوں گا۔ ہر کلمہ گو یہی چاہے گا کہ سائنس اور تمام علوم و فنون کو بھی کلمہ پڑھوا دیا جائے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام مذاہب عالم میں اگر کوئی مذہب سائنس کے ہاتھ میں تسبیح پکڑا سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ خدا کرے ڈاکٹر صاحب مرحوم کا خواب جلد پورا ہو اور ایسے اسباب بھی مہیا ہوں جو اس تخیّل کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ فی الحال تو اس کی ضرورت ہے کہ اسلام، مسلمانوں اور اسلامی علوم و فنون کے متعلق ہر قسم کا ڈیٹا ایک جگہ جمع ہو جائے، تحقیقی ذوق والوں کے لیے ایک مرکز مہیا ہو جائے جو ہر قسم کی اور جدید ترین سہولتوں کا حامل ہو۔ اس کام کے اسباب تو پیدا ہو ہی چکے ہیں۔ خدا نے چاہا تو اس کی تکمیل بھی ہو ہی جائے گی۔

## حضرات!

آپ تو متوقع ہوں گے کہ کسی موضوع پر یا مطالعاتِ اسلامیہ پر ہی، کوئی فلسفیانہ اور فنی بحثیں سُنیں گے، یہاں محض چھوٹی موٹی باتیں سُن سُن کر آپ اکتا بھی رہے ہوں گے۔ میں بھی مجبور ہوں۔ مجھے تو سیدھی سادی باتیں ہی آتی ہیں۔ میں تو بس اتنا ہی پڑھتا ہوں جتنا مجھے عمل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اتنی ہی دور دیکھتا ہوں جہاں سے منزلِ صاف دکھائی دے رہی ہو اور اتنا ہی چلتا ہوں جو قطعِ منزل کے لیے ضروری ہے، اس سے کم نہ زیادہ۔

آخر میں، میں پھر آپ سب حضرات کا اور کانفرنس کے منتظمین کا اور دعوت دینے والوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ عزت بخشی اور میری باتوں کو صبر اور سکون سے سنا۔ سب سے آخر میں، میں آپ کو نئے سال کی مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آنے والا سال ہم سب کے لیے فلاح و ترقی کا سال ہو اور جو مشکلات ہمارے ملک کو اور ہماری قوم کو درپیش ہیں وہ دور ہوں اور اقوامِ عالم میں ہمیں سرخروئی حاصل ہو۔ آمین۔

اعظم گڑھ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

(حکیم) عبدالحمید دہلوی